

اسباب عروج و زوال امت

(۴)

عبدالملک بن مروان کے بعد اس کا بیٹا ولید سریرائے خلافت ہوا۔ یہ اگرچہ باپ کی طرح صاحبِ علم و مصل و نہیں تھا مگر طرزِ جہان بینی و فرمانروائی میں بہت ممتاز تھا۔ مذہبی زندگی بھی بہت سوں کیلئے درسِ عبرت کا موجب تھی، عبدالملک اپنے عہد میں عرب کی اندرونی بغاوتوں اور دشواریوں کا خاتمہ کر ہی چکا تھا۔ ولید نے اس فرصت سے فائدہ اٹھایا اور خوش قسمتی سے اسے محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر اور قتیبة بن سلم ایسے بہادروں پر سپردِ سالار بھی مل گئے جنہوں نے اپنے شاندار کارناموں سے اسلامی تاریخ کو چارچاند لگا دیے۔ چنانچہ قتیبة بن مسلم نے خراساں، خوارزم، اور چینی ترکستان فتح کیا۔ محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور سخت ترین معرکوں کے بعد اس مہم کو سر کیا۔ موسیٰ بن نصیر نے اندلس کی سرزمین پر پہنچ کر اسلامی حکومت و سلطنت کا پرچم اہرایا اس طرح چین سے اسپین تک کا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔ ان فتوحات کے علاوہ ولید کو تعمیری کاموں کی طرف بھی بڑی توجہ تھی۔ اس نے نہایت عمدہ اور خوبصورت مسجدیں تعمیر کرائیں۔ فوج کی باقاعدہ تنظیم کی۔ تبلیغی ادارے قائم کئے اور مسلمانوں کی تعلیم و ترتیب پر خاص توجہ دی۔ قرآن مجید کے درس کے لئے جگہ جگہ کتاب خانے قائم کئے اور علمدار و معلمین کے وظائف مقرر کر کے ان کو فکرِ معاش سے آزاد کیا۔ او گداگری کا انسداد کر کے مسلمانوں کو فرمانِ نبویؐ سوالِ ذلّ پر عمل پیرا ہونے کا سبق دیا۔

قطیفہ پر مسل نامہ ملے | جس طرح اندلس کی فتح سے اسلامی فتوحات کی تاریخ میں ایک نئے اور شاندار باب کا اضافہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کے سیاسی عروج کی ایک روشن دلیل ہے۔ اسی طرح مشرقی روئےِ اقبال

کے دارالسلطنت قسطنطنیہ کے معرکہ میں مسلمانوں کی ناکامیاں بھی اپنے اندر عبرت و بصیرت کی بہت سی داستانیں چھپی ہیں۔ اندلس کی فتح کے ساتھ اس ناکامی کا حال پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس زمانہ میں کس طرح اسلامی فتوحات کی وسعت کے باوجود زوال و انحطاط بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ گویا جسم بظاہر بہت توانا اور قوی تھا مگر روح اندرونی طور پر اضمحلال پذیر ہو رہی تھی۔ اسلئے کبھی کبھی کسی مادی ناکامی کی شکل و صورت میں اس کا اظہار ہوتا ہی رہتا تھا۔ اس بنا پر یہاں قسطنطنیہ کا محاصرہ اور اس کی ناکامی کا حال کیفۃً تفصیل سے بیان کرنا شاید بے موقع نہ ہوگا۔

قسطنطنیہ مشرقی یورپ کا دروازہ تھا۔ مسلمان اس کی اہمیت اور اس کو فتح کرنے کی ضرورت کو اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے عہد میں (۳۳۰ مطابق ۶۴۸ء) امیر معاویہؓ ایک فوج لیکر روانہ ہوئے اور ایشیا کو چمک سے ہوتے ہوئے آئے۔ باسفورس کے کنارہ تک پہنچ گئے۔ اسی زمانہ میں بسرن ارطاۃ نے فونکس (Phoenix) پہاڑ کے سامنے رومی بیڑہ کو شکست فاش دی جس کی کمان شہنشاہ کوشین دوم کر رہا تھا۔ اس بحری جنگ میں بیس ہزار رومی سپاہی کھیت رہے۔ لیکن مسلمان فوج کے نقصانات بھی کچھ کم نہ تھے ان نقصانات کے باعث مسلمان اس کو فتح نہ کر سکے اور وہ واپس آ گئے۔

اس کے بعد ۳۵۷ء میں جبکہ امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کی جا چکی تھی۔ اور دمشق ہوا میکا دارالسلطنت قرار پا چکا تھا قسطنطنیہ پر خشکی اور سمندر دونوں طرف سے حملہ ہوا۔ بری فوج کی کمان عبدالرحمن بن خالد بن ولید کر رہے تھے اور بحری بیڑہ حسب سابق بسرن ارطاۃ کی کمان میں تھا۔ یہ بیڑہ بحر مارمرورہ تک پہنچ چکا تھا لیکن موسم سرما کی شدت کے باعث یہاں کوئی کارروائی نہ کی جاسکی۔ اور مسلمانوں نے سردی کا موسم اناطولیہ میں گزارا۔ اس کے بعد ۳۷۵ء میں حضرت معاویہؓ نے پھر بیڑے سازو سامان کے ساتھ حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ شام اور مصر کی بندرگاہوں میں فضیلہ ابن عبد اللہ انصاری کی قیادت میں ایک بڑا بحری بیڑہ متعین کیا

جو ناٹولہ کو عبور کرتا ہوا کلیڈون تک فتوحات حاصل کرنا چاہا گیا۔ دوسرے سال یعنی ۹۸۵ء میں سفیان بن عوف
 الازدی کی زیر قیادت پھر ایک بڑی فوج قسطنطنیہ کو فتح کرنے کیلئے بھیجی گئی ریزیدین معاویہ بھی اس لشکر میں
 شامل تھا۔ اور اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ایوبؓ
 انصاری ایسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی اس میں شریک تھے۔ اس بڑی فوج کے علاوہ بحری بیڑہ جس کی
 کمان بسربن ارطاةؓ کر رہا تھا رودبار و انیال کی موجوں کو چیرتا ہوا مشرقی رومن امپائر کے دارالسلطنت سے چند
 میل کے فاصلہ پر یورپین ساحل تک پہنچ گیا۔ گویا یہ کہنا چاہئے کہ مسلمان اس وقت قسطنطنیہ کی دیوار کے
 نیچے تھے۔ مشرقی امپائر کے شہنشاہ کو مسلمانوں کی ان عظیم الشان تیاریوں کا علم پہلے سے ہو چکا تھا اور اس بنا پر
 اس نے مقابلہ کی تیاریاں بھی بڑے پیمانہ پر کر رکھی تھیں۔ پھر رومی یوں بھی بڑے بہادر اور دلیر تھے، ان لوگوں
 نے قسطنطنیہ کی فہیل پر سے جو بہت اونچی تھی آگ برسانی شروع کر دی۔ مسلمان کئی دن تک اپنی بری او
 بحری فوجوں کے ساتھ شہر کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ اور ان دنوں میں صبح سے شام تک برابر حملے کرتے رہے
 حضرت ابوالیوب انصاریؓ اور عبدالعزیز بن زرارہؓ کلبیؓ اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ لیکن اس مرتبہ بھی قسطنطنیہ
 فتح نہ ہو سکا اور مسلمانوں کو ناکام لوٹنا پڑا۔ اب انھوں نے قسطنطنیہ سے انٹی سیل کی مسافت پر اپنے ڈیرے خیم
 ڈال دیے اور کئی سال تک ان کا معمول یہی رہا کہ جاڑوں میں یہاں آجاتے تھے اور گرمیوں کے موسم میں پھر
 قسطنطنیہ کا محاصرہ کر کے اسے فتح کرنے کی سعی کرتے تھے۔ ان مسلسل ناکامیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہازوں کا آدمیوں کا
 اور دوسرے ساز و سامان جنگ کا شدید نقصان ہوا۔ شت کرنا پڑا۔ آخر کار ۹۸۵ء میں یہ لشکر واپس آگیا۔ اندازہ
 کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ان لڑائیوں میں تین ہزار فداکاران اسلام کی جانوں کا نقصان ہوا۔ اور اس میں
 شبہ نہیں کہ ان ہیمن شکستوں نے جہاں رومیوں کے حوصلے بڑھا دیئے۔ ان سے مسلمانوں کی عظمت کو بھی
 کچھ کم نقصان نہیں پہنچا۔ آخر کار امیر معاویہؓ نے رومیوں سے ایک معاہدہ کر لیا جو چالیس سال تک قائم رہا۔
 قسطنطنیہ کے محاصرہ میں مسلمانوں کو جو مسلسل ناکامیاں اٹھانی پڑی تھیں وہ کوئی ایسی معمولی

چوٹ بنتی جس کا اثر امتدادِ ایام کے ہاتھوں مٹ جاتا۔ بلکہ اسلامی فوج کے دل و جگر پر ایک ایسا دلرغ تھا جو رہ کے اجتر تھا اور ان کو بتیڑا کر جاتا تھا۔ چنانچہ وئید بن عبد الملک کے زمانہ میں جب موسیٰ بن نصیر اندلس کی مہم سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو گیا تو اس نے چاہا کہ وہ اپنا رخ مغرب سے مشرق کی طرف کر دے اور اس طرح قسطنطنیہ ہوتا ہوا دشمن پہنچے تاکہ عیسائیت اور عیسائی حکومت دونوں کا اقتدار بیک وقت ختم ہو سکے لیکن دربار خلافت کی طرف سے موسیٰ کو اس کی اجازت نہیں ملی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی فتوحات فرانس کے جنوب تک ہی محدود ہو کر رہ گئیں۔

سلیمان عبد الملک کا زمانہ | ولید کی وفات کے بعد اس کا حقیقی بھائی سلیمان تختِ خلافت پر ۹۶ء مطابق ۷۱۵ء میں تنگن ہوا۔ اس وقت بنو امیہ کی حکومت اندرونی بغاوتوں اور شورشوں سے مامون تھی۔ سیاسی فتوحات نے حوصلہ بلند اور متین مستحکم کر دی تھیں اعلیٰ تربیت یافتہ اور منظم فوج گراں موجود تھی۔ اسلحہ اور ساز و سامان جنگ کی بھی کمی نہ تھی۔ پھر دوسری طرف بازنطینی حکومت میں طوائف الملوک پیدا ہو چلی تھی۔ بیس برس کی قلیل مدت میں چھ فیصد تخت نشین ہوئے اور معزول کر دیے گئے تھے۔ بلغاری اور سلاونی (Sclavonians) شمالی صوبجات کو پامال کر کے دار السلطنت کی دیواروں تک پہنچ چکے تھے اور دوسری جانب عرب ایشائے کوچک میں سے گذر کر اپنی فتوحات کا دامن آئندہ باسفورس کے ساحل تک پھیلا چکے تھے، خود اندرون ملک شورشیں اور بغاوتیں برپا تھیں۔ اس صورتِ حال کو اپنے موافق دیکھ کر سلیمان بن عبد الملک نے قسطنطنیہ پر ازمرنہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا اس مقصد کیلئے سلیمان نے بری اور بحری فوجیں بڑی بھاری تعداد میں مہیا کیں۔ اور ان کو طرح طرح کے سامان اور اسلحہ جنگ سے آراستہ و سیراستہ کر کے اپنے بھائی مسلمہ بن عبد الملک کی زیر قیادت روانہ کیا، خود سابق میں ٹھہر گیا اور بھائی کو ہدایت کر دی کہ یا قسطنطنیہ فتح کرنا۔ ورنہ وہیں مقیم رہ کر میری دوسری ہدایات کا انتظار کرنا۔ ۹۸ء کے آغاز یعنی ستمبر ۷۱۷ء میں مسلمہ نے اناطولیہ کے مرتفع میدانوں کو پامال کیا اور کئی ایک بازنطینی قلعے اور شہر فتح کر لئے۔ اس کے بعد

اناطو طیب کے دار السلطنت عمریہ کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ عمریہ کا گورنر ایک شخص لیو (Leo) تھا جو بڑا بہادر حوصلہ مند اور چالاک تھا۔ اس نے مسئلہ سے صلح کر لی۔ مگر پھر قصور کو مغزول کر کے خود قسطنطنیہ کے تحت وقلج کا مالک بن بیٹھا۔ مسئلہ نے نہایت بہادری اور بہت سے ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کا رخ کیا۔ بازنطینی مورخین کا اندازہ ہے کہ اس وقت خشکی اور سمندر کی جانب سے مسلمانوں کی جو فوج قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے جمع ہو گئی تھی اس کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار تک پہنچتی تھی۔ سلیمان دابق میں بیٹھا سوار برآمدی فوجیں اور ضرورت کی چیزیں بھیج رہا تھا اور مسلمانوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی آرزو میں بار بار

مدینہ شمشیر سے باہر تھا دم شمشیر کا

مسئلہ نے بھر مار مورہ کے ساحل ساحل چلکر اپنی بری اور بحری دونوں فوجوں کے ساتھ قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور محققوں سے گولہ باری شروع کر دی۔ یہ محاصرہ بہت دنوں تک جاری رہا۔ لیکن اسوقت بھی قدرت کو منظور نہ تھا کہ مسلمان فاتح و فائر المرام ہو کر لوٹیں نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو اس محاصرہ میں بھی شدید نقصانات اٹھانے پڑے۔ پھر سردی بھی اس سال اس قدر شدید ہوئی کہ عرب اس کو برداشت نہ کر سکتے تھے ہزاروں مر گئے اور ہزاروں سخت بیمار ہو کر جنگ کے قابل نہ رہے۔ ادھر سامانی رسد جو ساتھ تھا وہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ اسی اثنا میں سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے آپ کو ان حالات کا علم ہوا تو مسئلہ کو حکم بھیجا کہ قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا لیا جائے اور اسلامی فوجیں واپس لوٹ آئیں۔ چلتے چلتے ایک اور تہ یہ ہوا کہ یونانیوں نے ایڈریا نوپل کی اسلامی فوج کے قلعہ بحری دستوں پر حملہ کر دیا جس کے باعث بہترے جہاز غرق ہو گئے صرف چند ایک جو بچ رہے تھے شام کی بندرگاہ تک پہنچ سکے۔

اس مہم کی ناکامی ایسی حوصلہ شکن تھی کہ اس کے بعد سے نویں صدی بحری کے نصف ثانی تک جہم سہر نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ ۱۲۵۱ء میں یعنی مذکورہ بالا مہم کے سے کامل آٹھ سو سال بعد ترکوں نے اسکو فتح کیا

اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اگر اس وقت مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے ہوتے تو آج تاریخ یورپ بالکل ہی بدلی ہوئی ہوتی اور مصر و شام و عراق کی طرح یہاں کی آبادی کا بھی اکثر و بیشتر حصہ فرزندانِ توحید پر مشتمل ہوتا۔ لیکن

يُرِيدُ الْمَرْءُ اَنْ يُعْطِيَ مَنْهًا ۚ وَيَا بِي اِنَّهٗ اَكْلًا مَّا يَشَاءُ

ترجمہ ۱۔ آدمی چاہتا ہے کہ اس کو اس کی مراد مل جائے۔ لیکن اے نبی وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

ناکامی کے اسباب | مورخین نے ان اہم معرکوں میں ناکامی کے مختلف وجوہ و اسباب بیان کئے ہیں مثلاً ایک یہ کہ عربوں کو بحری جنگ کا کامل تجربہ نہ تھا (۲) مسلم بن عبدالملک نے عورہ کے گورنر یوپیور پر اعتماد کر کے غلطی کی اور اسے اپنا ہمراز بنالیا۔ (۳) موسم کی شدت عربوں کیلئے ناقابلِ برداشت تھی۔ (۴) رومیوں کے پاس طاقت و قوت زیادہ تھی اور اسلحہ بھی بعض نئی قسم کے تھے۔

مادی اعتبار سے یہ اسباب مسلمانوں کی ناکامی میں موثر ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان اسباب کے علاوہ ناکامی کا سبب بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان امرا جو اس وقت اسلامی فوج میں نمایاں اثر رکھتے تھے روحانی اعتبار سے کسی بڑی عظمت کے مالک نہیں تھے۔ تشدد، جبر و ظلم، استبداد اور سخت گیری خلفائے سیکر معمولی درجہ کے عمال و ولایت تک کا شیوہ تھی۔ مسلمان تو مسلمان خود غیر مسلم بھی اس چیز کو محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے مسیحی بادشاہ نے چوتھی صدی ہجری میں خلیفہ عباسی کے نام جو ایک منظوم خط عربی میں لکھا تھا اس میں وہ کہتا ہے۔

الاشمر وایا اهل بغداد ویکم
فملاکم مستضعف غیر دائم
فعودوا الی ارض الحجاز اذ لکم
وخلوا بلاد الروم اهل المکارم
ملکنا علیکم حین جار قویکم
وعاملکم بالمنکرات العظائم
قضا انکم باعوا جہاراً قضاء هم
کبیر ابن یعقوب بن یحییٰ در اہم

ترجمہ۔ اے اہل بغداد تمہارے لئے تباہی ہے تم بھاگے کیلئے مستعد ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہارا ملک ضعیف اور ناپائدار ہے تم ذیل ہو کر ارضِ عجاز کی طرف واپس چلے جاؤ۔ اور ذی عزت رومیوں کے شہروں کو خالی کر دو۔ ہم تم پر غالب سو قوت ہوئے جبکہ تمہارے قوی نے ضعیف پر ظلم کیا اور تم احوالِ شنیعہ کرنے لگے۔ تمہارے قاضی اپنے فیصلوں کو اس طرح بیچنے لگو جس طرح یوسف علیہ السلام چند درام میں بیچے گئے تھے۔

خلیفہ عباسی نے ان اشعار کا جواب اس زمانہ کے مشہور عالم اور ادیب تغال مروزی سے لکھوایا تھا۔ دیکھئے جواب میں کس صفائی کے ساتھ امر حق کا اعتراف کیا گیا ہے فہلے ہیں۔

وَقُلْتُمْ مَلَكُنَا بِجُورٍ قَضَا تَكْذُوبًا
وَبِيعْتُمُوهُمُ احْكَامَهُمُ بِالْأَدْرَاهِمِ
وَفِي ذَٰلِكَ أَقْرَابُ بَصَحَةُ دِينِنَا
وَأَنَا ظَلَمْنَا فَاثْبَلْنَا بِظَالِمٍ

ترجمہ۔ تم کہتے ہو کہ ہم (عباسی) اس وجہ سے تم پر غالب آگئے کہ تمہارے قاضی ظلم کرتے تھے۔ اور وہ اپنے فیصلوں کو درام کے بدلہ میں فروخت کر دیتے تھے ہاں یہ صحیح ہے۔ لیکن اس میں تو ہمارے دین کی سچائی کا اقرار ہے کہ ہم نے ظلم کیا تو ہمارا واسطہ ظالموں سے پڑ گیا۔

سلیمان بن عبد الملک کے عہد میں محاصرہ قسطنطنیہ کے ناکام ہونے سے دو سو برس بعد ایک عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کی ناکامی کا جو سبب بتایا تھا یعنی عمال و حکام کا ظلم و جور اور دینِ قیم کے احکام سے انحراف۔ دیکھئے یہ کس طرح مسلمانوں کی پوری تاریخ میں شروع سے آخر تک کا فرما ہے۔

بارہ ہندوستان پر پے پے چلے گئے۔ مگر جب تک وہ

نوروز نو بہار روئے و در بار با خوش است

پہر حال رہا فتح حاصل نہ کر سکا۔ پھر جب اس نے پیام و سبکو توڑ کر ان تمام زندان بدستوں سے توبہ کر لی تو فتح و ظفر نے بھی آگے بڑھ کر اس کے قدم چوم لئے۔

یہی سلیمان بن عبد الملک ہے جس کو حسن سیرت میں ایک خاص امتیاز کا مالک سمجھا جاتا ہے لیکن

ساتھ ہی اس کے جبر و تشدد اور استبداد و انتقام کا یہ عالم ہے کہ اس نے قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم ایسے نامور سپہ سالاران اسلام کو ان کی حسن خدمات کے باوجود قتل کر دیا اور محض اس بنا پر کہ ان کے متعلق اس بات کا گمان تھا کہ یہ لوگ ولید کے بعد اس کے بیٹے کو خلیفہ بنانے اور مسلمانوں کو خلافت سے محروم رکھنے کی رائے رکھتے تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے بے شبہ انداز کو فتح کر کے اسلام کی ایک عظیم الشان خدمت انجام دی تھی اور اس بنا پر وہ ہر طرح لائق تحسین و آفرین تھا۔ مگر یہ غریب بھی شاہی عتاب سے بربچ سکا۔ یہاں تک کہ اس کا بیٹا عبدالعزیز قتل ہی کر دیا گیا۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض بعض عمال ایسے بھی تھے جنہوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اس طرح وہ دوبار خلافت سے باغی ہو گئے۔ لیکن یہ قصور بھی کس کا ہے؟ جب خلفاء میں استبداد عام ہو جائے پھر عمال سے بھی اس قسم کے اعمال کا صدور مستبعد نہیں رہتا۔

سلمان کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو چونکہ آپ ملک عادل اور خلفا راشدین کے طرز کے خلیفہ تھے اس لئے آپ نے اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کر لیا کہ اصل چیز خود اپنے نفس کا تذکرہ اور اپنے اعمال و افعال کی اصلاح ہے۔ ملکی فتوحات مقصود بالذات نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی غرض و غایت یہ ہے کہ کلمہ حق عالمگیر ہو اور کوئی طاقت اس کی اشاعت میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ اس بنا پر آپ نے اپنی مختصر مدت خلافت میں اپنی تمام تر توجہ عمال و حکام اور امرار و ولایت کی اصلاح کی طرف ہی مبذول رکھی۔ اور آپ نے اس پر زور دیا کہ مسلمان ایمان و عمل کے اعتبار سے سچے اور حقیقی مسلمان بن کر زندگی بسر کریں۔ اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے خاندان شاہی کے افراد کو جمع کر کے ان سے فرمایا کہ میرا خیال ہے امتِ مرحومہ کا نصف یا دو تھائی حصہ تم لوگوں کے قبضہ میں ہے تم اسے ان لوگوں کو واپس کر دو جن سے یہ لیا گیا ہے۔ بنو مروان بھلا اس کو کب ماننے والے تھے، مگر بیٹھے اور بولے ہمارے سر قلم ہو جائیں گے لیکن یہ املاک واپس نہیں ہو سکتے۔ ہم نہ اپنے آبا و اجداد کو کافر بنانا پسند کرتے ہیں اور نہ اپنے بچوں کو مفسد

کنگال۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے تغلب اور خیانت کی لعنت کا خاتمہ کر دینے کا عہد کر رکھا تھا فسایا
”خدا کی قسم! اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں تم کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑ دوں گا“ اسی عہد کو کامیاب بنانے
کیلئے ایک مجمع عام میں یہ تقریر کی۔

”اموی خلفائے ہم لوگوں کو ایسی جاگیریں اور جائیدادیں دی ہیں جن کے دینے کا ان کو اور ہم کو
ان کے لیے کا کوئی حق نہیں تھا، میں ان سب جاگیروں کو ان کے اصلی حقداروں کے نام واپس
کرتا ہوں اور خود اپنی ذات اور اپنے خاندان سے اس کا آغاز کرتا ہوں۔“

اس تقریر کے بعد آپ نے اپنی کل جاگیر واپس کر دی۔ یہاں تک کہ ایک نگینہ بھی نہ رہنے دیا۔ بعض
حضرات نے سمجھا یا کہ آپ کے بعد آپ کی اولاد کا کیا انتظام ہو گا؟ ارشاد فرمایا میں ان سب کو خدا کے حوالہ
کرتا ہوں! آپ کی بیوی فاطمہ عبدالملک کی بیٹی تھیں ان کو باپ نے ایک یا قوت دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ
نے فرمایا یہ تم یا تو اس یا قوت کو بیت المال میں داخل کر دو، ورنہ مجھ سے ترک تعلق کرنے پر آمادہ ہو جاؤ! اپنی
اور اپنے خاندان کی جاگیروں کو واپس کر دینے کے بعد آپ نے تمام عمال و حکام کو بھی تہدیدی خطوط کے ذریعہ
تاکید کی کہ وہ تمام منصوبہ اور بحجہ وصول کئے ہوئے اموال کو واپس کر دیں۔ اور آئندہ کے لئے اس طرح کی
بے عزتانی کرنے سے مجتنب رہیں۔ آپ کے ان احکام کا اثر یہ ہوا کہ مال و جائیداد اور نقد غرض یہ کہ ایک جہہ
بھی جو کسی نے ناجائز طور پر وصول کیا تھا اصلی حقدار کو واپس کر دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی یہ اصلاح نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ تاریخ عالم میں اپنی نظیر نہیں
رکھتی۔ اس سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ امت مرحومہ کا اصل مرض بچان
کئے تھے اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ کسی حکومت کا کوئی گناہ اس سے بڑھ کر خطرناک اور تباہ کن نہیں
ہو سکتا کہ اس کے عمائد، اُمراء اور حکام و اراکین رعایا کے اموال میں مطلق العنانی کے ساتھ جا بجا تصرف کریں
اور کوئی ان سے باز نہیں کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو فتح ممالک کی طرف زیادہ

توجہ نہیں تھی۔ وہ تذکیہ نفس اور تصفیہ باطن کو اصلاً ضروری اور سب سے اہم سمجھتے تھے اور اسی پر انھوں نے اپنی توجہ مرکوز کر رکھی۔

خلفاء بنی امیہ اپنے جبر و تشدد اور خلافت راشدہ کے منہاج پر قائم نہیں بنے کے لئے عذر یہ پیش کرتے تھے کہ اب لوگ بھی ایسے نہیں رہے ہیں جیسے کہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبد الملک بن مروان نے خود ہی خیال صاف لفظوں میں ظاہر کیا تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز ان باتوں کے قائل نہیں تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بادشاہ کی مثال ایک بازار کی سی ہے جس میں وہی چیزیں لائی جاتی ہیں جن کی بازار میں مانگ ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ خود نیک ہوگا تو رعایا بھی نیک ہوگی اور اگر وہ نیک نہیں ہے تو رعایا بھی نیک نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ایک مرتبہ امام اوزاعی نے عباسی خلیفہ منصور کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بادشاہ چاقوم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو خود بھی ضبط نفس کرتا ہے اور اپنے عمال کو بھی اس کی تاکید کرتا ہے۔ یہ بادشاہ درحقیقت اللہ کے راستہ کا مجاہد ہے۔ اس کو ایک نماز کا ثواب ستر ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ملیگا اور اللہ کی رحمت کا ہاتھ ہمیشہ اس کے سر پر سایہ فگن رہے گا۔ دوسری قسم کا بادشاہ وہ ہے جو خود بھی رعایا کے احوال میں خود مبرا کرتا ہے اور اپنے عمال کو بھی اس نے ایسا کرنے کیلئے مطلق العنان چھوڑ دیا ہے یہ بادشاہ سخت ترین گناہگار ہے۔ اس کو اپنے گناہوں کا خیازہ تو بھگتنا پڑے گا ہی۔ اس کے عمال کے گناہ کی باز پرس بھی اس سے ہوگی، تیسری قسم بادشاہ کی یہ ہے کہ خود کو کف نفس کرے مگر عمال کو اس نے جبر و تشدد کے لئے آزاد چھوڑ رکھا ہو۔ یہ بادشاہ بڑا ہی بد نصیب ہے کہ دوسروں کی دنیا کے بدلہ میں اپنی آخرت بیچتا ہے۔ چوتھی قسم کا بادشاہ وہ ہے جو خود تو بہت ہی غیر محتاط ہے مگر عمال کو محتاط رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ امام اوزاعی نے فرمایا

فذلک شرا کیا اس ”یہ تو بہت ہی بری فرزندگی ہے“

امام اوزاعی کی اس تقسیم کے مطابق کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا شمار پہلی قسم کی بادشاہوں

میں ہے۔ آپ نے خود بھی دس و تقویٰ اور احتیاط و پرہیزگاری کی زندگی بسر کی اور اپنے عمال کو بھی مجبور کیا کہ وہ شریعت اسلام کے مطابق ہی لوگوں سے معاملہ کریں۔ جس کسی نے اس حکم سے سرتابی کی آپ نے اس کو سزا دی۔ چنانچہ یزید بن ہلب عرب کا نامی گرامی امیر تھا۔ مگر جب وہ مالہ کی نسبت اپنی صفائی پیش نہیں کر سکا تو آپ نے اس کو قید کر دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے چاہا تھا کہ مسلمانوں کا نظام حکومت تمام مفساد و ذمائم سے پاک و صاف ہو کر بھراپی اسی اصلی شکل و صورت کے ساتھ قائم ہو جائے۔ لیکن انہوں نے کہ آپ کا عہد خلافت بہت ہی مختصر تھا آپ کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا مگر وہ اس روش کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اس نے تخت خلافت پر ٹکٹن ہونے کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے مقرر کئے ہوئے عمال کو یکلیم معزول کر دیا۔ اور اپنے عمال کو صاف لفظوں میں لکھ دیا کہ عمر بن عبدالعزیزؓ کی جو ایسی ستمی وہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ان کے طرز عمل سے خرچ اور ٹیکس کی مقدار میں بہت کمی آگئی ہے۔ اس لئے تم لوگ بھراپی دورِ قدیم کا سا معاملہ کرنا شروع کر دو۔ اس میں لوگ سرسبز و شاداب رہیں یا قحط زدہ ہو جائیں۔ اس طرز عمل کو پسند کریں یا ناپسند۔ ہر حال تم کسی بات کی پروا نہ کرو۔“

یزید نے اس سے بھی بڑھ کر ستم یہ کیا کہ مسجدوں کے منبروں پر حضرت علیؓ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے کا جو رواج پہلے سے چلا آ رہا تھا اور جس کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے سختی سے بند کر دیا تھا۔ یزید نے پھر اس ننگہ انسانیت رولج کو جاری کر دیا۔ جس سے پھر بنو ہاشم اور ان کے ہواخواہوں کے دلوں پر تیر و نا چلنے لگے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی چارہ سازی سے جن زخموں پر کھربند بننے لگے تھے وہ پھر برے ہو گئے۔ چار سال ایک ماہ کی خلافت کے بعد شعبان ۱۹۷ھ میں یزید بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا تو اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک سریرائے خلافت ہوا۔ ہشام فہم و تدبیر اور سیاست و فرزانگی میں ایک خاص امتیاز کا مالک تھا۔ اس حیثیت سے خلفاء بنی امیہ میں اس کو وہی مقام

حاصل ہے جو امیر معاویہ اور عبدالملک بن مروان کو حاصل تھا۔ روپیہ پیسہ خرچ کرنے میں بڑا محتاط تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو اس پر پخل کا دھوکہ ہوتا تھا۔ مال جمع کرنے کا شوق ضرور تھا۔ عمال کے متعلق اس کی روش تقریباً وہی تھی جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی تھی۔ اہل بیت اہلار کے ساتھ محبت کا مدعی تھا۔ ابن قنیبہ کا بیان ہے کہ عمر بن ہبیرہ گوزر عراق کو ہشام نے گوزری سے معزول کر کے جو قتل کر دیا تھا اس کا سبب منجملہ دیگر وجوہ کے ایک یہ بھی ہے کہ ابن ہبیرہ خاندان نبوت کی شان میں سب و شتم کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک روایت ہے کہ ۶۷ھ میں حج کے موقع پر سعید بن عبداللہ بن الولید بن عثمان ہشام سے ملا اور خواہش ظاہر کی کہ حضرت علیؑ پر لعنت کرنے کی اجازت دیدیجائے۔ ہشام یہ سن کر سخت غضبناک ہو گیا اور بولا ”ہم کسی پر شتم کرنے نہیں آتے ہیں۔ ہم تو یہاں صرف حج کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں“

مورخین کا بیان ہے کہ نیکیں اور خراج وغیرہ کی رقوم کے وصول کرنے اور تقسیم کرنے کا جتنا اچھا نظام ہشام بن عبدالملک کے عہد میں تھا کسی اور خلیفہ کے عہد میں نہیں تھا۔ ان تعمیری اور انتظامی کارناموں کے علاوہ فتوحات کے اعتبار سے بھی ہشام کا زمانہ بنی امیہ کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اس کے عہد میں پھر خوارج نے سر اٹھایا تھا۔ اس نے سرکوبی کر کے ان کا بالکل ہی خاتمہ کر دیا۔ سندھ محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا۔ مگر یہاں کے بعض علاقوں میں پھر بغاوت و سرکشی کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ ہشام نے اپنے نامی گرامی سپہ سالار فوج ضیہ کو بھیج کر ان بغاوتوں کا استیصال کرایا۔ ایشیا کو چک میں متعدد فتوحات حاصل کیں۔ اندلس میں انتظامی اعتبار سے جو بعض خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں ان کی اصلاح کر کے وہاں کی فضا کو ہموار کیا۔ شمالی افریقہ کی بربر قوم حب عادت پھر سرکش ہو گئی تھی۔ اس کی طاقت کو زیر و زبر کیا۔ فرانس پر متعدد حملے ہوئے۔ غرض یہ ہے کہ اسلام کی سیاسی طاقت و مرکزیت کو متعدد

لے مگر تعجب ہے کہ اس کے باوجود ہشام بن عبدالملک فرزدق کی زبان سے امام زین العابدینؑ کی شان میں وہ قصیدہ نہیں سن سکا جس کا ذکر مضمون کے گذشتہ نمبر میں آچکا ہے۔

اسباب و وجوہ سے جو خطرات لاحق ہو گئے تھے۔ ہشام نے اپنی فہم و فراست، عزم و جزم اور ہمت و صلہ سے کام لیکر ان کا مقابلہ انتہائی پامردی اور عالی حوصلگی کے ساتھ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلمان بحیثیت ایک قوم کے اپنی سیاسی عظمت کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہ سکے۔ پھر چونکہ ہشام علی لحاظ سے خود بھی رند مشرب یا لالہ ابلی مزاج نہیں تھا۔ اور نہ ہی تعلیم و تبلیغ کا اہتمام بھی کافی کرتا تھا۔ علماء اور فقہاء کا قدردان تھا اس بنا پر سیاسی عظمت و برتری کے ساتھ دینِ قیم کے عقائد و احکام کی اشاعت بھی وسیع پیمانہ پر ہوتی رہی اور مسلمانوں کیلئے عروج کا پھر ایک ذریعہ پیدا ہو گیا۔

لیکن ہشام کو بنو امیہ کا آخری خلیفہ سمجھنا چاہئے جس نے اسلام کی سیاسی مرکزیت کو اپنی سیاست و تدبیر کے مضبوط ہاتھوں سے تھامے رکھا۔ اس کی مدتِ حکومت پندرہ سال ہے۔ اس کے بعد آخری خلیفہ مروان ثانی تک جتنے خلفاء ہوئے ان میں کوئی یا تو بالکل ہی نالائق اور نااہل تھا۔ یا ذاتی اوصاف کے لحاظ سے تو نیک تھا مگر اس میں سیاست و تدبیر اور ہمت و جرات کا فقدان تھا جس کے باعث وہ وقوف و لوہنگامی شورشوں کا سدباب نہ کر سکا۔ چنانچہ ہشام کے بعد یزید بن عبد الملک کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا جس کو یزید خود اپنی زندگی میں ولیعہد بنا گیا تھا۔ یہ پرے درجہ کا فاسق و فاجر اور ظالم و جابر تھا، بلوہ رنگین اور نعمہ شیریں کے علاوہ اس کو کسی اور چیز سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ہشام اس کی زندان ہدستیوں کو دیکھ کر چاہتا تھا کہ اس کے علاوہ کسی اور کو اپنا جانشین بنادے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اس بنا پر ولید نے ہشام کے بعد اس کی اولاد اور اس کے عمال و محکام سے شدید انتقام لیا، متعدد بااثر اصحاب قتل کئے گئے، مضر اور نزار کے قبیلوں کی باہمی آویزش جو دمِ پُر گئی تھی پھر تازہ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۷۱ھ میں یعنی ولید کی تخت نشینی سے ایک سال بعد یزید بن ولید تخت نشین ہوا۔ یہ خود عبادت گزار تھا۔ مگر انتظامی قابلیت کم تھی ماسی لئے اس کو یزید لائق قص کھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے تخت نشین ہوتے ہی مخالفوں اور بغاوتوں کا ایک کوہِ آتش فشاں پھٹ پڑا۔ عرب کے مضر قبائل اس کے

سخت مخالف تھے۔ انھوں نے شورش برپا کر دی۔ اُدھر حمص اور فلسطین میں بغاوت کے شرارے بلند ہوئے۔ اگرچہ عارضی طور پر ان پر قابو حاصل کیا جاسکا لیکن ان کا استیصال کئی نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ آخری خلیفہ مروان ثانی کے عہد میں یہی چیزیں جو قطرہ قطرہ ہو کر جمع ہو رہی تھیں ایک سیلاب بلا بکر منڈ پڑیں اور اموی حکومت کے جاہ و جلال کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔

مورخ طبری کا بیان ہے کہ مروان سن رسیدہ اور تجربہ کار تھا اس کے علاوہ خرم و دھما منڈی سے بھی بے بہرہ نہ تھا۔ لیکن بد نصیبی سے اس کو سخت حکومت اس وقت ملا جبکہ ملک میں عام بد نظمی اور شورش بپا تھی۔ ایک طرف خود اموی خاندان میں بھوٹ پڑی ہوئی تھی رشام میں متعدد سیاسی پارٹیاں تھیں جو باہم دست و گریباں تھیں۔ اُدھر خراسان عباسی دعوت کا مستقر اور مرکز بنا ہوا تھا۔ اس تحریک کو اب اور بھی ابھرنے اور بروئے کار آنے کا موقع مل گیا۔ خوارج یمن میں اپنی منتشر طاقتوں کو جمع کر رہے تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر ان کو بھی یہ حوصلہ ہوا کہ یمن سے نکل کر مکہ اور مدینہ میں اپنے عقائد کی دعوت و تبلیغ شروع کر دی مروان نے ان کے مقابلہ کیلئے ایک لشکر ہزار روانہ کیا۔ جس نے حجاز میں اور یمن میں گھسکران سے شدید جنگ کی اور ان کے ہزاروں آدمیوں کو تیغ کر دیا۔ عباسی دعوت کا ہیرا ور سپہ سالار ابو سلمہ خراسانی تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ ہوامیہ کی بہت بڑی طاقت خوارج سے جنگ کرنے میں مشغول ہے تو ایک لاکھ انانوں کی منظم فوج جمع کر کے پہلے خراسان پر باقاعدہ قبضہ کیا۔ اس کے مختلف علاقوں کا انتظام اپنے متعدد لوگوں کے سپرد کر دیا۔ پھر خطبہ نامی ایک بہادر جرنیل کی کمان میں ایک لشکر لے کر ان عراق غم کو فتح کرنے کیلئے روانہ کیا۔ اموی حکومت کا اقتدار ختم ہو چکا تھا اسلئے رے، اصفہان اور ہارنا و وغیرہ مقامات پر معمولی لڑائیوں کے بعد خطبہ کی فوج کا قبضہ ہو گیا۔ موصل اور اربل کے درمیان زاب اعلیٰ کے کنارہ پر خود ایک فوج گراں لئے پڑا تھا۔ یہاں دونوں میں گھسان لڑائی ہوئی مروان شکست کھا کر بھاگا۔ شام کے لوگوں کی بہت کچھ توقعات تھیں مگر ان لوگوں نے اکی کوئی مدد نہیں کی۔ بلکہ اس کی شکستہ حالی کو دیکھ کر اور اٹا اثر یہ ہوا کہ

جہاں جہاں اس کی حکومت کے معاون و مددگار تھے قتل کر دیے گئے۔ چنانچہ مصر والوں نے اپنے گورنر کو اور اہل حمص نے گورنر حمص کو سپردِ قتل کر دیا۔ اہل مدینہ نے کم از کم یہ کیا کہ مروان کے مقرر کئے ہوئے عامل کو قتل نہیں کیا بلکہ صرف مدینہ سے نکال باہر کیا۔ غرض کہ زمین کی وختیں اس پر تنگ ہو گئی تھیں۔ نزاری جن پر اس کو بڑا اعتماد تھا وہ بھی جمعرونی کر رہے تھے۔ محروم و بایوس ہو کر دمشق اور فلسطین سے تباہ و مروان مصر پہنچا۔ عباسی لشکر پیچھے سے تعاقب میں آ ہی رہا تھا۔ یہاں مروان نے چند ساتھیوں کے ساتھ بھر کچھ مقابلہ کیا۔ مگر یہ مقابلہ ایک مرغِ بسل کی پرافشانی سے زیادہ و فبیح نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مارا گیا۔ اور اس کے سوتے ہی لمبوی حکومت کا چراغ بھی سلسلہ میں بالکل ہی گل ہو گیا۔

بنو امیہ کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے یہ اندازہ ہو گا کہ اسلام کی حقیقی روح کے اضلال کے ساتھ ساتھ کس طرح اس کے عروج کے اسباب بھی ہم پہنچے رہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہان تک ایمان اور عمل کے حقیقی معیار کا تعلق ہے اس دور کے مسلمانوں کو عہدِ صحابہ کے مسلمانوں کے ساتھ بحیثیتِ جمعی کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے کہ اگر اس عہد کے مسلمانوں کا بحیثیتِ ایک قوم کے دنیا کی دوسری متمدن سے متمدن قوموں کے ساتھ مقابلہ و موازنہ کیا جائے تو یہ بات صاف نمایاں ہوگی کہ مسلمان اپنے عقائد و افکار اعمال و اخلاق - معاشرت و معاملات کے اعتبار سے اب بھی دنیا کی بہترین قوم تھے۔ ان میں اسلام کی واقعی روح منجمل تھی مگر مردہ نہیں ہوئی تھی۔ ان کی حیرت انگیز جانباریں میں کچھ نہ کچھ دنیا طلبی کا بخل ہو تو ہو مگر تھیں ہی اعلیٰ درجہ کے جذبہ سے بھرہ نہ تھے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اگر مسلمانوں میں وحدت، اجتماع نہ ہوئی تو ان کو چین، ہندوستان، افریقہ، اور انڈس میں وہ شاندار کامیابیاں ہرگز نہیں ہو سکتی تھیں جو انہوں نے حاصل کیں اور اس وحدتِ اجتماعی کا دار و مدار کسی فحاشی یا خاندانی رشتہ پر نہیں تھا بلکہ اسلام کے اس تعلق پر تھا جس نے افریقہ اور چین کے مسلمانوں کو ایک سلسلہ میں منسلک کر دیا تھا۔

بھرتنوامیہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تہذیب کو خالص عربی تہذیب رکھا۔ ایرانی یونانی ترک اور تاتار ہندی اور چینی غرض یہ کہ دنیا کی مختلف قومیں مسلمان ہو کر عربوں کے ساتھ رہنے بنے لگی تھیں لیکن عربوں کی تہذیب نے نو مسلم قوموں کو متاثر کیا۔ خود عرب ان کی تہذیب سے اثر پذیر نہیں ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرت بھی عالمگیر ہوتی رہی۔ اور جہاں جہاں مسلمانوں کا پرچم فتح و نصرت لہرایا۔ وہاں مسجدیں تعمیر ہو کر آباد ہوئیں۔ حتیٰ کے غفلوں سے وہاں کی فضا گونج اٹھی اور تمام لوگ اسلامی تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگے گئے۔ قرآن کی زبان عربی کو فروغ ہوا۔ تمام مالک محروسہ میں قرآن و حدیث کے درس کیلئے مکاتب قائم ہو گئے۔ (باقی)

ماہنامہ

”ندائے حرم“ دہلی

تاریخی اور مذہبی معلومات کا نادر مجموعہ۔

حقائق و بصائر کا علمی خزانہ۔

اسلام اور مرکز اسلام کے نام پر نئی نسل کیلئے توحید عمل کا داعی۔

مرکزی تنظیم کی دعوت دینے والا ماہنامہ۔

بارہ ماہ میں پانچ سو صفحات

مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے مخین و معاونین کے لئے مفت

سالانہ چندہ تین روپے۔ رعایتی غار۔ طلباء سے عمر۔ ممالک غیر سے، شلنگ

پتہ۔ نیچر ماہنامہ ”ندائے حرم“ دہلی قروں باغ